نہج البلاغہ کے مختلف خطبوں کا مختصر مطالعہ

مفتی جعفر حسین مرحوم

ساری دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ مولای متقیان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے خانۂ کعبہ میں پیغمبر کی آغوش میں آنکھ کھولی اور ساری زندگی ان کی سنت و سیرت کی ایسی پیروی کی کہ رحمت اللعالمین کی زبان اوصاف علیؑ بیان کرنے میں محو ہوگئی اور کتب احادیث میں ارشادات نبوی قلمبند ہونے لگے۔ ''ہم اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ کا نفس میرا نفس ہے''۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ سفر معراج سے واپسی کے بعد روداد سفر بیان کرتے ہوئے پیغمبر نے فرمایا: ''اے علیؑ! خداوند عالم نے مجھ سے تمہارے لب و لہجہ میں گفتگو فرمائی''۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے سفر کی بقیہ روداد اپنی زبان سے سنائی اور پیغمبر ان کے ارشادات کی تائید کرتے رہے۔ حافظؔ شیرازی نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

سرّ خدا کہ عارف سالک بہ کس نگفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

جی ہاں! نہج البلاغہ میں مذکور آفرینش عالم کے سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ راوی اگر خود کاریگر نہیں ہے تو کم از کم الٰہی کاریگری کا شاہد عینی ضرور ہے اور اس نے دنیا کی تخلیق کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ خطبہ درحقیقت حضرت علیؑ کے ید اللہ اور عین اللہ ہونے کی دلیل فراہم کردیتا ہے۔ مفتی جعفر حسین کے اس مقدماتی مقالہ میں مولای متقیان کے دیگر خطبات کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔ (ادارہ)

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کرسکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پاسکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال کی کوئی حد متعین نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس کی ابتدا کے لئے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہوجائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں [1]، دین کی ابتدا اس کی معرفت

ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے۔ کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے، اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی، اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کردی اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کرلیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے۔ اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے۔ مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں، وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھوکر پریشان ہوجائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حد و نہایت پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضا کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا، جس کے دریائے امواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہہ بہ تہہ تھیں اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے

مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور و دراز تک پھیلا دی پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے ڈھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے پانی کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی۔ یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہہ بہ تہہ پانی جھاگ دینے لگا۔ اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا۔ جو گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کیے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزہ بیان میں سرگرم ہیں اور اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں۔ کچھ وہ ہیں، جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سر اور پردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں۔ نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا

پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں وشورہ زار زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہوکر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہوگیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضا ہیں اور مختلف حصے، اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکے اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی، تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہوگئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا۔ فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے۔ جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگا رنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری خشکی کا پیکر ہے۔

پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کی پیمان وصیت کو پورا کریں۔ جو سجدۂ آدمؑ کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا۔ اس لئے اللہ نے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اسے عصبیت نے گھیر لیا۔ بدبختی اس پر چھا گئی۔ آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا۔ اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کو مخلوق اور حقیر و ذلیل جانا۔ اللہ نے اسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے اور بنی آدمؑ کی آزمائش پایۂ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہوجائے۔ چنانچہ اللہ نے اس سے کہا کہ تجھے وقت معین کے دن تک کی مہلت ہے۔ پھر اللہ نے آدم کو ایسے گھر میں ٹھہرایا۔ جہاں ان کی زندگی کو خوش گوار رکھا۔ انہیں شیطان اور اس کی عداوت سے بھی ہوشیار کردیا۔ لیکن ان کے دشمن نے ان کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخرکار انہیں فریب دے دیا۔ آدمؑ نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ مسرت کو خوف سے بدل لیا۔ اور فریب خوردگی کی وجہ سے ندامت اٹھائی۔ پھر اللہ نے آدم کے لئے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انہیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انہیں دار ابتلا ومحل افزائش نسل میں اتار دیا۔ اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیاء چنے۔ وحی پر ان سے عہد و پیمان لیا، تبلیغ رسالت کا انہیں امین بنایا، جب کہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حق سے بے خبر ہوگئے۔ اوروں کو اس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انہیں روگرداں

اور اس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے اور لگا تار انبیاء بھیجے تا کہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں پر بلند بام آسمان، ان کے نیچے بچھا ہوا فرش زمین، زندہ رکھنے والا سامان معیشت۔ فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے درپے آنے والے حادثے۔

اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیل قطعی طریق روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسول، جنہیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ ان میں کوئی سابق تھا، جس نے بعد میں آنے والے کا نام و نشان بتایا۔کوئی بعد میں آیا، جسے پہلا پہچنوا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گزر گئیں۔ زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر ان کی اولادیں بس گئیں۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کے علامات (ظہور) مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اپنے لقا وقرب کے لئے چنا، اپنے خاص انعامات آپ کے لئے پسند فرمائے اور دار دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اٹھالیا۔ حضرت تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے۔ اس لئے کہ وہ طریق واضح و نشان محکم قائم کئے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبر نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال مقید و مطلق محکم و متشابہ کو واضح طور سے بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔ اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں، جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا وجوب

کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں، جن پر عمل کرنا حدیث کی رو سے واجب ہے، لیکن کتاب میں ان کے ترک کی اجازت ہے۔ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانۂ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہوجاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں، جن کے لئے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیر ہیں جن کے لئے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے، اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا:

اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا، جسے لوگوں کا قبلہ بنایا ہے۔ جہاں لوگ اس طرح کھنچ آتے ہیں، جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح وارفتگی سے بڑھتے ہیں، جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب آتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشان بنایا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چن لئے جنہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اسکے کلام کی تصدیق کی وہ انبیاء کی جگہوں پر ٹھہرے۔ عرش پر طواف کرنے والے فرشتوں سے شباہت اختیار کی۔ وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان، پناہ چاہنے والوں کے لئے حرم بنایا ہے۔ اس کا حج فرض اور ادائگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ نوردی فرض کردی ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو جان لے کہ اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

۱-''دین کی اصل و اساس خدا شناسی ہے'' دین کے لغوی معنی اطاعت اور عرفی معنی شریعت کے ہیں۔ یہاں خواہ لغوی معنی مراد لیئے جائیں یا عرفی دونوں صورتوں میں اگر ذہن کسی معبود کے تصور سے خالی ہو، تو نہ اطاعت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی آئین کی پابندی کا کیونکہ جب کوئی منزل ہی سامنے نہ ہوگی، تو منزل کے رخ پر بڑھنے کے کیا معنی اور جب کوئی مقصد ہی پیش نظر نہ ہوگا تو اس کے لئے تگ و دو کرنے کا کیا مطلب۔ البتہ جب انسان کی عقل و فطرت اس کا سر رشتہ کسی مافوق الفطرت طاقت سے جوڑ دیتی ہے اور اس کا ذوق پرستاری و جذبۂ عبودیت اسے کسی معبود کے

آگے جھکا دیتا ہے، تو وہ من مانی کر گزرنے کے بجائے اپنی زندگی کو مختلف قسم کی پابندیوں میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور انہی پابندیوں کا نام دین ہے۔ جس کا نقطۂ آغاز صانع کی معرفت اور اس کی ہستی کا اعتراف ہے۔

معرفت کی بنیادی حیثیت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کے ضروری ارکان و شرائط بیان فرمائے ہیں اور عموماً افراد انسانی جن ناقص مراتب ادراک کو اپنی منزل آخر بنا کر قانع ہوجاتے ہیں۔ ان کے ناکافی ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ فطرت کے وجدانی احساس اور ضمیر کی راہنمائی سے یا اہل مذاہب کی زبان سے سن کر اس اَن دیکھی ہستی کا تصور ذہن میں پیدا ہوجائے جو خدا کہی جاتی ہے۔ یہ تصور درحقیقت فکر و نظر کی ذمہ داری اور تحصیل معرفت کا حکم عائد ہونے کا عقلاً پیش خیمہ ہے، لیکن تساہل پسند یا ماحول کے دباؤں میں اسیر ہستیاں اس تصور کے پیدا ہونے کے باوجود طلب کی زحمت گوارا نہیں کرتیں تو وہ تصور تصدیق کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اس صورت میں وہ معرفت سے محروم ہوجاتی ہے اور باوجود تصور، بمنزل تصدیق سے ان کی محرومی چونکہ بالاختیار ہوتی ہے اس لئے وہ اس پر مواخذہ کی مستحق ہوتی ہیں، لیکن جو اس تصور کی تحریک سے متأثر ہوکر قدم آگے بڑھاتا ہے وہ غور و فکر ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح دوسرا درجہ ادراک کا حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی بوقلمونیوں اور مصنوعات کی نیرنگیوں سے صانع عالم کا کھوج لگایا جائے کیونکہ ہر نقش نقاش کے وجود پر اور ہر اثر مؤثر کی کارفرمائی پر ایک ٹھوس اور بے لچک دلیل ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہے، تو اسے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی کہ جو کسی صانع کی کارفرمائی کے بغیر موجود ہوگئی ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نقش قدم بغیر راہرو کے اور کوئی عمارت بغیر معمار کے کھڑی ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، تو کیونکر یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ فلک نیلگوں اور اس کی پنہائیوں میں آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اور یہ زمین اور اس کی وسعتوں میں سبزہ و گل کی رعنائیاں بغیر کسی صانع کی صنعت طرازی کے موجود ہوگئی ہوں گی۔ لہٰذا موجودات عالم اور نظم کائنات کو دیکھنے کے بعد کوئی انسان اس نتیجہ تک پہنچنے سے اپنے دل و دماغ کو نہیں روک سکتا کہ اس جہان رنگ و بو کا کوئی بنانے سنوارنے والا ہے کیونکہ تہی دامان وجود سے فیضان وجود نہیں ہوسکتا اور نہ عدم سے وجود کا سرچشمہ پھوٹ سکتا ہے۔ قرآن نے اس استدلال کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ "افی اللّٰہ شک فاطر السموات و الارض" کیا اللہ کے وجود میں شک ہوسکتا ہے جو زمین و اسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن یہ وجہ بھی ناکافی ہے

جب کہ اس کی تصدیق میں غیر کی الوہیت کے عقیدہ کی آمیزش ہو۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا اقرار وحدت و یگانگت کے اعتراف کے ساتھ ہو۔ بغیر اس کے خدا کی تصدیق مکمل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جس کے ساتھ اور بھی خدا مانے جائیں گے۔ وہ ایک نہیں ہوگا اور خدا کے لئے ایک ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کائنات کو ان میں سے ایک نے پیدا کیا ہے یا سب نے مل جل کر اگر ایک نے پیدا کیا ہے، تو اس میں کوئی خصوصیت ہونا چاہئے ورنہ اس ایک کو بلا وجہ ترجیح ہوگی جو عقلاً باطل ہے، اور اگر سب نے مل جل کر بنایا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے امور کی انجام دہی نہ کرسکتا ہوگا یا ان کی شرکت و تعاون سے بے نیاز ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا محتاج و دست نگر ہونا اور دوسری صورت میں ایک فعل کے لئے کئی ایک مستقل فاعلوں کا کارفرما ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں صورتیں اپنے مقام پر باطل کی جاچکی ہیں۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ سارے خداؤں نے حصہ رسدی مخلوقات کو آپس میں بانٹ کر ایجاد کیا ہے، تو اس صورت میں تمام ممکنات کی ہر واجب الوجود سے یکساں نسبت نہ رہے گی، بلکہ صرف اپنے بنانے والے ہی سے نسبت ہوگی۔ حالانکہ ہر واجب کو ہر ممکن سے اور ہر ممکن کو ہر واجب سے یکساں نسبت ہونا چاہئے۔ کیونکہ تمام ممکنات اثر پذیری میں اور تمام واجب الوجود اثر اندازی میں ایک سے مانے گئے ہیں۔ تو اب اسے ایک مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ متعدد خالق ماننے کی صورت میں کسی چیز کے موجود ہونے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئ کے لئے تباہی و بربادی ضروری قرار پاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس دلیل کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے "لو کان فیھما الھة الا اللّٰہ لفسدتا" اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے، تو یہ زمین و آسمان دونوں تباہ و برباد ہوجاتے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ اسے ہر نقص و عیب سے پاک سمجھا جائے اور جسم و صورت، تمثیل و تشبیہ، مکان و زمان حرکت و سکون اور عجز و جہل سے منزہ مانا جائے۔ کیونکہ اس باکمال و بے عیب ذات میں نہ کسی نقص کا گذر ہوسکتا ہے نہ اس کے دامن پر کسی عیب کا دھبّہ ابھر سکتا ہے اور نہ اس کو کسی کے مثل و مانند ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں وجوب کی بلندیوں سے اتار کر امکان کی پستیوں میں لے آنے والی ہیں۔ چنانچہ قدرت نے توحید کے پہلو بہ پہلو اپنی تنزیہ و تقدیس کو بھی جگہ دی ہے۔

ا- کہہ دو کہ اللہ یگانہ ہے۔ اس کی ذات بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد

ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلّہ ہے۔

۲- اس کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔

۳- اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھ لیا کرو۔ بے شک اصل حقیقت اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴- کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے، وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

پانچواں درجہ یہ ہے جس سے معرفت مکمل ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں صفتوں کو الگ سے نہ سمویا جائے کہ ذات احدیت میں دوئی کی جھلک پیدا ہوجائے اور توحید اپنے صحیح مفہوم کو کھوکر ایک تین اور تین ایک کے چکر میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس کی ذات جوہر و عرض کا مجموعہ نہیں کہ اس میں صفتیں اس طرح قائم ہوں جس طرح پھول میں خوشبو اور ستاروں میں چمک بلکہ اس کی ذات خود تمام صفتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے کمالات ذاتی کے اظہار کے لئے کسی توسط کی محتاج نہیں ہے۔ اگر اسے عالم کہاجاتا ہے و اس بنا پر کہ اس کے علم کے آثار نمایاں ہیں اور اگر اسے قادر کہاجاتا ہے تو اس لئے کہ ہر ذرّہ اس کی قدرت و کارفرمائی کا پتہ دے رہا ہے اور سمیع و بصیر کہاجاتا ہے تو اس وجہ سے کہ کائنات کی شیرازہ بندی اور اور مخلوقات کی چارہ سازی دیکھے اور سنے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مگر ان صفتوں کی نمود اس کی ذات میں اسی طرح نہیں ٹھہرائی جاسکتی، جس طرح ممکنات میں کہ اس میں علم آئے تو وہ عالم ہو اور ہاتھ پیروں میں توانائی آئے تو وہ قادر وتوانا ہو کیونکہ صفت کو ذات سے الگ ماننے کا لازمی نتیجہ دوئی ہے اور جہاں دوئی کا تصور ہوا وہاں توحید کا عقیدۂ رخصت ہوا۔ اسی لئے امیر المومنین علیہ السلام نے زائد بر ذات صفات کی نفی فرما کر صحیح توحید کے خدو خال سے آشنا فرمایا ہے اور دامن وحدت کو کثرت کے دھبوں سے بدنما نہیں ہونے دیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی صفت تجویز ہی نہیں کی جاسکتی کہ ان لوگوں کے مسلک کی تائید ہو، جو سلبی تصورات کے بھیانک اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ حالانکہ کائنات کا گوشہ گوشہ اس کی صفتوں کے آثار سے چھلک رہا ہے اور مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جاننے والا ہے، قدرت والا ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے اور اپنے دامن ربوبیت میں پالنے والا اور سایۂ رحمت میں پروان چڑھانے والا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات میں الگ سے کوئی ایسی چیز تجویز نہیں کی جاسکتی کہ اسے صفت سے تعبیر کرنا صحیح ہو، کیونکہ جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ اسی

مطلب کو امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے سماعت فرمایئے اور پھر مذاہب عالم کے عقیدہ توحید کو اس کی روشنی میں دیکھئے اور پرکھئے کہ توحید کے صحیح مفہوم سے روشناس کرانے والی فردیں کون تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’ہمارا خدا بزرگ و برتر ہمیشہ سے عین علم رہا حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا اور عین سمع و بصر رہا۔ حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات کو قبول کرنے والی کوئی شی نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا حلم (توحید و صدق) معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی‘‘۔

یہ وہ عقیدہ ہے، جس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے مگر سواد اعظم نے اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور ذات و صفات میں علیحدگی کا تصور پیدا کردیا ہے۔ چنانچہ شہرستانی نے تحریر کیا ہے کہ:"قال ابو الحسن باری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدره حی بحیاة مرید بارادة متکلم بکلام سمیع بسمع بصیر ببصر"[۱] ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ علم، قدرت، حیات، ارادہ، کلام اور سمع و بصر کے ذریعہ عالم، قادر، زندہ، مرید، متکلم اور سمیع و بصیر ہے۔

اگر صفتوں کو اس طرح زائد بر ذات مانا جائے گا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ صفتیں ہمیشہ سے اس میں ہوں گی یا بعد میں طاری ہوئی ہوں گی۔ پہلی صورت میں جتنی اس کی صفتیں مانی جائیں گی انہیں اتنا ہی قدیم ماننا پڑے گا، جو قدامت میں اس کے شریک ہوں گی۔ تعالی اللّٰہ عما یشرکون اور دوسری صورت میں اس کی ذات کو محل حوادث قرار دینے کے علاوہ یہ لازم آئے گا کہ وہ ان صفتوں کے پیدا ہونے سے پہلے نہ عالم ہو، نہ قادر نہ سمیع ہو اور نہ بصیر اور یہ عقیدہ اساسی طور پر اسلام کے خلاف ہے۔

۲- قرآن مجید کے احکام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں حلال و حرام کا بیان ہے جیسے"احل اللہ البیع و حرم الربوا" اللہ نے خرید و فروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے۔ اس میں فرائض و مستحبات کا ذکر ہے، جیسے "فاذا قضیتم الصلوٰة فاذکروا اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم فاذا طمأننتم فاقیموا الصلوٰة" جب نماز (خوف) ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھے لیٹتے اللہ کو یاد کرو اور جب دشمن کی طرف سے مطمئن ہوجاؤ، تو پھر معمول کے مطابق نماز پڑھا کرو۔ نماز فرض ہے اور دوسرے اذکار مستحب ہیں۔ اس میں ناسخ و منسوخ بھی ہیں۔ ناسخ جیسے عدہ

وفات میں "اربعة اشھر و عشرا" چار مہینے دس دن اور منسوخ جیسے متاعاً الی الحول غیر اخرج جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدۂ وفات ایک سال ہے اس میں مخصوص مواقع پر حرام چیزوں کے لئے رخصت و اجازت بھی ہے جیسے فمن اضطر غیر باغ و لاعاد فلا اثم علیه "اگر کوئی شخص بحالت مجبوری حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، درآں صورتیکہ حدود شریعت کو توڑنا اور ان سے متجاوز ہونا نہ چاہتا ہو۔ اس میں اٹل احکام بھی ہیں جیسے "لایشرک بعبادة ربه احدا" چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس میں خاص و عام بھی ہیں۔ خاص وہ کہ جس کے لفظ میں وسعت ہو اور معنی مقصود کا دائرہ محدود ہو۔ جیسے و انی فضلتکم علی العالمین" اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اس میں عالمین سے صرف انہی کا زمانہ مراد ہے اگرچہ لفظ تمام جہانوں پر محیط شامل ہے اور عام وہ ہے جو اپنے معنی میں پھیلاؤ رکھتا ہے۔ جیسے "واللّٰه بکلّ شیءٍ علیم" اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس میں عبرتیں اور مثالیں بھی ہیں۔ عبرتیں جیسے "فاخذہ اللّٰه نکال الاخرة والاُولیٰ انّ فی ذلک لعبرةً لّمن یخشیٰ" خدا نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں لے لیا جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے اس میں عبرت کا سامان ہے۔ اور مثالیں جیسے "مثل الّذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللّٰه کمثلِ حبّةٍ انبتت سبع سنابل فی کلّ سنبلة مائة حبّة" جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس بیج کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔ اس میں مطلق و مقید ہیں۔ مطلق وہ کہ جس میں کسی قسم کی تقیید و پابندی نہ ہو۔ جیسے "و اذ قال موسیٰ لقومه ان اللّٰه یامرکم ان تذبحوا بقرة" اس موقع کو یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم کوئی سی گائے ذبح کرو۔ اور مقید وہ کہ جس میں تشخص و قیود کی پابندی ہو۔ جیسے "انه یقول انھا بقرة لا ذلول تثیر الارض و لا تسقی الحرث" اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو نہ ہل میں جوتی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتوں کو سینچا گیا ہو۔ اس میں محکم و متشابہ بھی ہیں۔ محکم وہ کہ جس میں کوئی گنجلک نہ ہو۔ جیسے "ان اللّٰه علی کل شیءٍ قدیر" بے شک، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور متشابہ وہ کہ جس کے معنی الجھے ہوئے ہوں۔ جیسے "الرحمن علی العرش استوی" جس کے ظاہر مفہوم سے یہ توہم بھی ہوتا ہے کہ وہ جسمانی طور سے عرش پر برقرار ہے لیکن مقصود غلبہ و تسلط ہے۔ اس میں بعض احکام مجمل ہیں۔ جیسے "اقیمو الصلوٰة" نماز قائم کرو۔ اس میں گہرے

مطالب بھی ہیں۔ جیسے وہ آیت کہ جن کے متعلق قدرت کا ارشاد ہے کہ "لایعلم تاویله الا اللّٰه و الراسخون فی العلم" ان کی تاویل کو اللہ اور رسولؐ اور علم کی گہرائیوں میں اترے ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پھر ایک دوسرے عنوان سے تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ جیسے "فاعلم انه لا اله الا اللّٰه" اس بات کو جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ جیسے الم وغیرہ اور اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جو سنت پیغمبر سے منسوخ ہوگئے ہیں۔ جیسے: "و اللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت" تمہاری عورتوں میں سے جو بدچلنی کی مرتکب ہوں، ان کی بدکاری پر اپنے آدمیوں میں سے چار کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دیں، تو ایسی عورتوں کو گھروں میں بند کردو، یہاں تک کہ موت ان کی زندگی ختم کردے۔ یہ سزا اوائل اسلام میں تھی۔ لیکن بعد میں شوہردار عورتوں کے لئے اس حکم کو حکم رجم سے منسوخ کردیا گیا۔ اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جن سے سنت پیغمبر منسوخ ہوگئی۔ جیسے "فول وجهک شطر المسجد الحرام" چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف موڑ لو۔ اس سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ اس میں ایسے احکام بھی ہیں جو صرف مقررہ وقت پر واجب ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کا وجوب باقی نہیں رہتا ہے۔ جیسے: "اذا نودی للصّلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللّٰه" جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے، تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی سے بڑھو۔ اس میں حرام کردہ چیزوں کی تفریق بھی قائم کی گئی ہے۔ جیسے گناہوں کا صغیرہ و کبیرہ ہونا۔ صغیرہ جیسے "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم" ایمان والوں سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور کبیرہ جیسے "و من یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤه جهنم خالدین فیها" جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جنہیں تھوڑا سا بجالانا بھی کفایت کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بجالانے کی بھی گنجائش ہے۔ جیسے "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" جتنا بآسانی قرآن پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو۔

❖